کتاب کا نام : فتاویٰ دیو بند پاکستان المعروف بہ فتاویٰ فریدیہ

مصنف مفتی محمد فرید تخریج وتبویب مفتی محمد وہاب

ناشر دارالعلوم صدیقیہ زروبی ضلع صوابی طبع اول سنہ ۲۰۰۴ء

قیمت وصفحات قیمت درج نہیں ۶۸۰ صفحات

مفتی صاحب صوبہ سرحد کے بہت بڑے عالم دین وفقیہ ہیں اور پیر طریقت ہیں آپ کے فتاویٰ کی یہ دوسری جلد ہے جو کہ کتاب الطہارت اور کتاب الصلوۃ پر مشتمل ہے ان فتاویٰ میں فقہی جزئیات اور مکمل حوالہ جات کا اہتمام کیا گیا ہے اگر آخر میں کتابیات مکمل کوائف کے ساتھ دے دی جائیں تو کتاب کی افادیت میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے ہر مفتی کو اس سے استفادہ کرنا چاہئے اور اسے ہر لائبریری کی زینت ہونا چاہئے

کتاب کا نام : بر صغیر میں عربی نعتیہ شاعری مقالہ پی ایچ ڈی

مصنف : پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی

تجزیہ نگار : پروفیسر علی محسن صدیقی

اسلام سے پہلے اہل ہند سے عربوں کے رابطے تھے۔ عرب بالخصوص حجاز ان تجارتی کاروانوں کی گزرگاہ تھا جو جنوبی ہند سے بادبانی کشتیوں کے ذریعہ خلیج عرب کے ساحلی شہروں میں آتے اور عرب کے صحرائی راستوں سے ہوتے ہوئے شام وایشیائی کوچک سے گزر کر بازنطینی علاقوں تک پہنچتے تھے۔ زمانہ عظیم میں یہ عظیم کارواں تھا جو بین الاقوامی حیثیت رکھتا تھا۔ مکہ کا شہر اسی شاہراہ (امام مبین) پر واقع تھا اور اس سرزمین میں جوع وخوف میں اس کے مکینوں کیلئے طعام و امن کی رسد وفراہمی کا واحد ذریعہ یہی تجارتی کارواں تھے جن کا ایک بازو قریش بھی تھے۔ عرب و ہند کے قدیمی روابط کی وجہ سے عربی زبان میں ہندوستانی الفاظ بھی در آئے اور قرآن مجید میں بھی سنسکرت کے الفاظ کی موجودگی ان روابط کی شاہد عدل ہے۔ یہ ابتدائی روابط اقتصادی تھے اور

زندگی کے تمام گوشوں تک ان کا پھیلاؤ نہ تھا۔ عرب و ہند کے تعلقات میں وسعت اس وقت پیدا ہوئی، جب اسلام فاتحانہ اس سرزمین میں داخل ہوا۔ اگرچہ ساحلی علاقوں پر مسلمانوں کی یلغاروں کا سلسلہ عہد فاروقی سے شروع ہو چکا تھا۔ اور بھڑوچ، (بردس) تھانہ (تانہ) اور ٹھٹھہ (تتہ) تک عربوں کے قدم پہنچ چکے تھے مگر یہ مشہور اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک کا دور زریں تھا کہ محمد بن قاسم نے سندھ وملتان میں فاتحانہ داخل ہوکر، اسلام کی عمل داری قائم کی۔ اس عمل تسخیر کے بعد عرب و ہند کے روابط میں استحکام پیدا ہوا۔ مقامی آبادی میں اسلام پھیلا اور فاتحین ومفتوحین میں جذب وانجذاب کے عمل کا آغاز ہوااور یہ ملک اسلامی علوم ومآثر کا مرکز بن گیا۔ عربی زبان، نظم ونثر یہاں کے لوگوں کیلئے اجنبی نہ رہی اور اسلام وپیغمبر اسلام ﷺ سے ان کی عقیدت ووابستگی کا سلسلہ بڑھااور پھر بڑھتا ہی گیا۔ اس ملک میں عربوں کے بعد غزنوی ترک آئے پھر غوری آل سنشب آئے، آل سنشب کے غلام ممالیک آئے، خلجی، قرونہ اور افغان وترک آئے۔ دائرے بڑھتے گئے سندھ وملتان سے پنجاب کے میدانوں تک، وہاں سے دہلی اور شمالی ہند کی زرخیز وادیوں تک، بنگال کی سحر انگیز سرزمین تک، مالوہ گجرات اور دکن تک غرض کراچی سے راس کماری تک، خیبر سے امپھال تک یعنی موجودہ برعظیم پاک و ہند کے ہر حصہ میں اسلام کے نام لیوا اور سرور کائنات ﷺ کے عقیدت مند مداح پہنچ گئے۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی کی کتاب ''برصغیر میں عربی نعتیہ شاعری'' اسی اجمال کی تفصیل اور اسی سفر شوق کی رنگین داستاں ہے۔ ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی کی زیر نظر کتاب آٹھ ابواب پر مشتمل ہے، جن کی ایک گونہ تفصیل یوں ہے:

باب اول: نعت کے موضوع، اس کے محرکات، اس کے منابع اور فن سے متعلق مباحث پر مشتمل ہے۔ یہ حصہ (۱۷۳) صفحات پر پھیلا ہوا ہے اور اس میں (۸۷۹) حوالہ جات ہیں۔ نعت کے موضوعات میں آنحضرت ﷺ کے ذاتی اوصاف، سوانح حیات، پیغمبرانہ عظمت، معجزات، صلوۃ وسلام، اسماء النبی ﷺ اور عصری موضوعات کا ذکر ہے۔ اس باب کے دوسرے جز یعنی محرکات نعت کے ضمن میں جن مضامین سے بحث کی گئی ہے وہ ہیں رسالت، اطاعت واتباع، عقیدت ومحبت، توسل واستغاثہ، شوق دیدار اور خواہش زیارت مدینہ منورہ۔ ان محرکات کے بیان کے بعد

فاضل مصنف نے چند ثانوی محرکات سے بھی بحث کی ہے یہ ثانوی محرکات ہیں، حاضری مدینہ کی کیفیات، مقامی اثرات وعصری حالات، تتبع اور مجلسی محرکات، باب اول کے جز سوم میں سیرت الرسول ﷺ کے منابع (مآ خذ) سے بحث کی گئی۔ مصنف نے سیرت کے مآ خذ اول قرآن حکیم ذکر کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سرور کائنات ﷺ کی حیات طیبہ قرآن مجید کا عملی پیکر ہے کہ کان خلقہ القرآن۔ اسلئے آپؐ کے سیرت کے نقوش کا پہلا مآ خذ کتاب اللہ ہی ہے، بقول ڈاکٹر قریشی ''قرآن کی جن آیات سے مداحین کو خصوصی دلچسپی رہی، ان کا تعلق آپ کے خصائص وفضائل سے ہے'' اور چونکہ ایسی آیات بکثرت ہیں اوران کا ذکر طوالت کا باعث ہے، اسلئے انہوں نے صرف چند ایک کے ذکر پر اکتفا کیا ہے لیکن اس اختصار کے باوجود انہوں نے چوبیس (۲۴) عناوین کے تحت آیات قرآنی کا استقصاء کیا ہے۔ سیرت النبی ﷺ کے دوسرے مآ خذ یا منبع کی حیثیت سے انہوں نے ''حدیث'' کا ذکر کیا ہے۔ حدیث جناب رسول اکرم ﷺ کے اقوال، اعمال اور تقریر سے عبارت ہے، اسلئے قرآن مجید کے بعد تذکار رسول ﷺ کا سب سے موثق، جامع ومستند مآ خذ حدیث ہی ہے۔ ڈاکٹر قریشی نے جمع وتدوین حدیث کا بھی اختصار کے ساتھ ذکر کیا ہے اور ابتدائی صحائف مثلاً صحیفہ ہمام بن منبہ وغیرہ کی بھی نشاندہی کی ہے، بعدازاں صحاح ستہ اور بعض دیگر مجموعہ ہائے حدیث کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ انہوں نے اس سلسلہ میں کتب صحاح ستہ کی طویل فہرست مضامین درج کی ہے جو غیر ضروری طوالت کا باعث بنی ہے بظاہر اس کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ نعت کے منابع میں علیحدہ عنوان کے تحت پروفیسر قریشی نے اسلامی تاریخ وسیرت نبوی ﷺ پر لکھی جانے والی کتابوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ یقیناً یہ کتابیں رسول اکرم ﷺ کی حیات طیبہ کے تمام گوشوں پر محیط ہیں۔ ابن اسحاق کی کتاب سیرت اگرچہ بتمام موجود نہیں ہے مگر ابن ہشام، ابن سعد اور متقدمین کی کتابوں میں اس کے جز دغالب کی موجودگی بساغنیمت ہے۔ قریشی صاحب نے ان قدماء کے علاوہ متاخرین میں ابن سید الناس، سہیلی، قرطبی، ابن حزم، ابن قیم، اور ابن کثیر کی کتب سیرت کی نشاندہی کرکے اپنے وسعت مطالعہ اور کتاب زیر تبصرہ کی جامعیت کا ثبوت دیا ہے۔ اسی طرح طبری، مسعودی، ابن اثیر اور ابن خلدون کی کتب تاریخ کا بھی بطور مآ خذ ذکر کیا ہے۔ کیونکہ ہماری کسی جامع تاریخی کتاب کا ذکر سیرت النبی ﷺ سے تہی دامن ہو

ہی نہیں سکتا۔ باب اول کا چوتھا جزو ''فن ہے''۔ فن کے ضمن میں شعر کی تعریف، نعتیہ شاعری کی خصوصیات اور اس کی متفرع ہیئتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ مصنف نے پانچویں صدی ہجری کے نقاد و ادیب ابو العباس حسن بن رشیق قیروانی (متوفی ۴۵۶ء) کی قائم کی ہوئی تقسیم کو بنیاد بنا کر نعت گوئی کو مدحیہ شاعری کے زمرہ میں محسوب کیا ہے مگر وہ اسے ایک نئی صنف سخن قرار دیتے ہیں وہ لکھتے ہیں ''مدح رسول اکرم ﷺ مدیح کا حصہ ہے مگر اپنی مخصوص ہیئت اور عناصر ترکیبی کے لحاظ سے ایک نئی صنف سخن ہے۔ یہ خالص جذبوں اور معطر خیالات کا وہ حسین مرقع ہے جو سراسر محترم اور ہمہ تن مقدس ہے۔'' (صفحہ ۱۳۴) قریشی صاحب نے نعتیہ شاعری کو ایک نئی صنف سخن قرار دینے پر جو دلائل قائم کئے ہیں، وہ قوی نہیں ہیں، کیونکہ شاعری جذبوں اور تخیل کا حسین مرقع ہی ہوتی ہے اور یہی خصوصیت اسے نثر سے ممتاز کرتی ہے۔ اگر شعر جذبات سے عاری اور تہی ہو تو وہ کلام منظوم ہوگا مگر شعر نہیں ہوگا۔ کتاب میں ابن رشیق متوفی ۴۵۶ء کے سال وفات کے مختلف اندراجات ہیں مثلاً ۴۵۳ء اور ۶۳۴ء وغیرہ۔ میرا خیال ہے کہ یہ اختلاف سہواً کتابت کے سبب سے ہے۔

باب دوم: اس باب میں پروفیسر قریشی نے اسلام میں شعر کی حیثیت سے بڑی فاضلانہ بحث کی ہے۔ شعر و شاعری کے متعلق آیات قرآنیہ اور احادیث نبوی کا جائزہ لے کر یہ ثابت کیا ہے کہ اگر شاعری مثبت اقدار و انداز کی ترجمان ہو تو وہ جائز ہے بلکہ مستحسن ہے۔ اس لئے صحابہ کرام اور آئمہ نے شعر کہے ہیں اور ادب اسلامی میں شاعری درجہ استناد و اعتبار رکھتی ہے۔ اس باب میں (٦٦٦) حوالہ جات ہیں۔ کتاب کا یہ باب ہر چند کہ بقامت کہتر ہے، مگر بقیمت بہتر بھی یہی ہے۔

باب سوم: اس باب کے مضامین (۲۲۸) صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں اور حوالہ جات کی تعداد (۹۲۹) ہے یہ باب طویل ہے اور اس کے مشتملات میں پہلا عنوان ہے ''ابتدائی مداح نگار''۔ اس عنوان کے تحت جن شعراء اور ان کے اشعار کا ذکر کیا گیا ہے، ان کی اسناد و اعتبار مشکوک ہے۔ بیشتر اشعار غیر مستند ہیں، ایک تحقیقی کتاب میں ان کے ذکر سے پہلو تہی کرنا چاہئے تھا۔ ایسے بیشتر اشعار جامعین سیرت و ناقدین اشعار کے نزدیک وضعی ہیں۔ اس باب کا دوسرا عنوان ہے ''(نعت نگاری) صحابہ کرام کے عہد میں'' اس میں حضرت حسان بن ثابت، کعب بن مالک، عبداللہ بن رواحہ اور کعب بن زہیرؓ کے شاعرانہ اوصاف اور نعتیہ کلام کا ناقدانہ جائزہ

لیا گیا ہے۔ اس ضمن میں خلفاء راشدین کے نعتیہ کلام کے نمونے پیش کئے گئے ہیں لیکن ان کے انتساب کو بھی درست نہیں سمجھا گیا ہے۔ یہاں متعدد معروف و غیر معروف اصحاب کے اشعار پیش کئے گئے ہیں جن میں ایک شعر بنام عمر بھی شامل ہے جس کے متعلق یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ صاحب ایک قصیدہ نعتیہ کے مالک ہیں۔ یہ عمر انسان نہیں، بلکہ جنات کے گروہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ بیان حد درجہ غیر ثقہ وغیر مستند ہے۔ اس باب میں ''مخدرات اسلام'' کے عنوان کے تحت خواتین کے نعتیہ اشعار بھی درج کئے گئے ہیں، ان میں جناب آمنہ، حلیمہ سعدیہ، اروی بنت عبد المطلب، عاتکہ بنت عبد المطلب، صفیہ بنت عبد المطلب اور ام یمن وغیرہ کے اشعار شامل ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فاضل مصنف نے جمع و تدوین پر زیادہ زور دیا ہے۔ اور زیادہ سے زیادہ اسماء و اشعار کو ذخیرہ کرنے کا اہتمام کیا ہے۔ اس کے بعد صحابہ کرام کی مدحیہ شاعری کا عمومی جائزہ لیا گیا ہے۔ اس دور میں اموی اور عباسی ادوار کے عربی نعتیہ شاعروں کا بھی ذکر کیا گیا ہے، قریشی صاحب نے المدائح النبویہ سے شعراء کی بے توجہی کے اسباب میں سیاسی گروہ بندی، مذہبی فرقہ بندی، شعراء کی ہوس زر، دین سے بیزاری اور قدیم جاہلی روایت کی رجعت کا بڑی تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ قارئین کیلئے مصنف علام سے اتفاق کرنا بڑا مشکل ہے، کیونکہ اس دور میں آئمہ فنون نے دینی علوم کی تدوین، تبویب اور تہذیب کے فرائض انجام دیئے اور سیرت رسول ﷺ پر کتابیں مدون کیں اور یہی کتب سیرت کی بنیادی دستاویز قرار پائیں۔ اسی دور کے نعت نگاروں میں امام ابو حنیفہ، ابو العتاہیہ، متنبی، شیخ عبد القادر جیلانی، زمخشری، عمر بن فارض، جمال الدین الصرصری وغیرہ کا اجمالی ذکر، کتاب کی جامعیت کی دلیل ہے۔

اس باب کے ایک جز کا عنوان ہے ''سقوط بغداد کے بعد'' ۶۵۶ھ (۱۲۵۸ء) میں بغداد کی عباسی خلافت کی بساط ہلاکو خان نے الٹ دی اور دنیائے اسلام سیاسی تشتت، علمی انحطاط، اور فکری اضمحلال کا صید زبوں ہو گیا۔ اس عہد نامسعود میں عربی نعتیہ شاعری کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس عہد کے سب سے نمائندہ و نمایاں نعت نگار امام بوصیری ہیں۔ قریشی صاحب نے قصیدہ بردہ کا تفصیل سے ذکر کیا ہے اور علمی نہج پر اس کا مطالعہ و تجزیہ پیش کیا ہے۔ بوصیری کے بعد بعض دیگر شعراء مثلاً ابن حجر عسقلانی، ابن سید الناس، ابن نباتہ مصری کا اجمالی ذکر کر کے آٹھویں صدی ہجری سے بارہویں صدی ہجری تک کے نعت گو شعراء کی اسم شماری کی گئی ہے۔ مصنف نے جامعیت کے خیال سے اندلس کے ایسے چند فضلاء کا تذکرہ کیا ہے جنہوں نے اپنے علمی مشاغل

میں سے کچھ وقت نعت نگاری میں بھی صرف کیا ہے ایسے علماء میں ابن جبیر، ابن حزم ظاہری، شیخ اکبر ابن عربی اور ابن خطیب وغیرہ نمایاں ہیں۔

اس باب کے آخر میں عہد حاضر کے شعراء کی نعت نگاری کا جائزہ لیا گیا ہے۔ یہ عہد دنیائے عرب کے انحطاط اور ملی زوال کا دور ہے۔ قنوطیت اور عبودیت کی فضا میں سانس لینے والے ارباب علم جدوجہد اور فکر وعلم سے عاری تھے، لیکن اس یاس قاطع کی کوکھ سے ملی آزادی کی تحریک نے جنم لیا جدید تعلیم اور فنی مہارت کے حصول کی خواہش اور مغربی اقوام کی سیاسی کشمکش نے دنیائے عرب میں آزادی کی جدوجہد کو مہمیز کیا۔ خصوصاً مصر میں فرانسیسی نفوذ محمد علی پاشا کی سیاسی بصیرت کی وجہ سے مایوسی کا جمود ٹوٹا اور عربوں میں جہد للحیات کی سرگرمیاں تیز سے تیز تر ہونے لگیں۔ اس دور سعی وعمل میں عربوں کو اپنے شاندار ماضی اور مذہب سے لگاؤ پیدا ہوا اور عظمت رفتہ کی بازیابی اور دلوں میں جذبہ ایماں کی حرارت پیدا کرنے کی غرض سے ذات رسول اکرم ﷺ سے دلی وابستگی اور آپ ﷺ سے استغاثہ کی تڑپ نے نعتیہ شاعری کو پروان چڑھایا۔ اس عہد کی نعتیہ شاعری اسلوب قدیم اور بوصیری کی آئینہ دار ہے۔ لیکن بتدریج معنی ومطالب میں تنوع درآیا اور استغاثہ و اصلاح کا انداز ومنہج واضح ہونے لگا، پروفیسر قریشی نے اس عہد کے شعراء میں عمر الیافی، عبداللہ فکری، محمود سامی بارودی، یوسف نبہانی اور احمد شوقی سے بحث کی ہے۔ خصوصاً شوقی کا تفصیلی مطالعہ شامل ہے اور اس کے نہج البردۃ الہمزیہ النبویہ اور دول العرب وعظماء الاسلام کا قدرے تفصیل سے تذکرہ کیا ہے۔ اس باب کے خاتمہ سے پہلے مصنف نے ایران میں عربی نعتیہ شاعری کا جائزہ لیا ہے جو سرسری واجمالی ہے اس اجمال میں خاقانی، رومی، سعدی، جامی، جمالی ہندی اور خاتمہ الشعراء ایران مرزا حبیب کی اسم شماری کی گئی ہے۔

باب چہارم: اس باب میں عرب وہند کے ابتدائی تعلقات سے بحث کا آغاز کیا گیا ہے۔ مقالہ کی ابتداء اسی باب سے ہوتی ہے۔ کتاب کے ابتدائی تین ابواب مصنف کی جامعیت کی سعی کے مظہر ہیں اور (۵۰۰) صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں، اس لئے یہ چوتھا باب "عرب اور برصغیر پاک وہند کے تعلقات" کے عنوان سے اصل موضوع سے براہ راست تعلق رکھتا ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ باب بھی تمہیدی ہی ہے اور مقالہ باب پنجم سے شروع ہوتا ہے، بہر کیف اس باب میں نہایت دقیع معلومات جمع کی گئی ہیں۔ عہد خلفاء راشدین اور اموی وعباسی ادوار میں مسلمان فاتحین کی برعظیم میں آمد اور بعد ازاں سندھ وملتان کی تسخیر کا اجمالی تذکرہ کرنے کے بعد

ہندی نژاد عربی شعراء کی اسم شماری کی گئی ہے ایسے شعراء میں ہارون بن موسیٰ ملتانی، کشاجم سندھی وابو عطا سندھی کا ذکر کیا گیا ہے۔ انہیں میں البیرونی و مسعود سعد سلمان کے عربی شاعری کے نمونے دیئے گئے ہیں، حالانکہ یہ حضرات عہد غزنویہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ انہیں اس جائزہ میں غالبًا اسلئے شامل کیا گیا ہے کہ یہ عہد سلطنت سے پہلے گزرے ہیں۔ اس باب میں (۱۸۹) حوالے ہیں اور حجم (۵۶) صفحات کا ہے۔

باب پنجم: اس باب کا عنوان ہے ''المدائح النبویہ سلاطین کے دور میں'' یہ باب قطب الدین ایبک کی تخت نشینی سے شروع ہوکر ابراہیم لودھی کی وفات تک کے کوئی ساڑھے تین سو سال تک کے علمی، معاشی، معاشرتی، خصوصاً عربی نعت نگاری سے وابستہ سرگرمیوں کا احاطہ کرتا ہے۔ اس کا حجم (٦٧) صفحات ہے اور حوالہ جات کی تعداد (٢٠٦) ہے۔ یہ دور نسبتاً طویل ہے، اس میں دہلی کے پانچ حکمراں خاندان مملوک، خلجی، تغلق، سید اور لودھی کے علاوہ دور لامرکزیت کے متعدد حکمراں خاندان داخل ہیں، مثلاً کشمیر کے سلاطین، ملتان کے لنگاہ، مالوہ، گجرات، جونپور و بنگال کے سلاطین اور دکن کے بہمنی، قطب شاہی، عادل شاہی، نظام شاہی، عماد شاہی اور برید شاہی سلاطین۔ اس دور سلطنت دہلی ولامرکزیت میں صوفیائے کرام کے عظیم سلسلے علماء وعظام کے وسیع حلقہ ہائے درس اور برعظیم کی ملت اسلامیہ کے معاشرتی تنوع، وسعت اور کثرت کے احوال وسیع مطالعہ کا اقتضاء کرتے ہیں مگر مقالہ زیر نظر میں ان کا بہت اختصار کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، غالبًا اس اختصاء کی وجہ مواد کی کمی یا شوق وجستجو کی آبلہ پائی تھی بہرکیف صوفیاء میں خواجہ معین الدین چشتیؒ، قطب الدین بختیار کاکیؒ، شیخ فرید الدین گنج شکرؒ، شیخ نظام الدین اولیاءؒ، شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلیؒ، شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ و شیخ فخر الدین عراقیؒ کا ذکر کیا گیا ہے۔ مگر مخدوم جلال الدین بخاری اوچھی اور شرف الدین یحییٰ منیری کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ علماء میں عوفی، منہاج سراج، حسن صنعانی، قاضی شہاب الدین ودات آبادی کی اسم شماری کی گئی ہے۔ شعراء میں عراقی، قاضی عبدالمقتدر الدمامینی کا تذکرہ کتاب میں شامل ہے۔ خصوصاً قاضی عبدالمقتدر کے لامیۃ الہند اور شیخ احمد تھانسیری کے قصیدہ دالیہ کا تفصیلی مطالعہ کتاب میں موجود ہے۔ اس الدمامینی (م۸۲۷ھ) کے مدحیہ قصیدہ الرائیہ کا تجزیہ بھی علمی وادبی تحقیق کی نہایت عمدہ مثال ہے۔ اس باب میں چند سہو یا تسامح کی نشاندہی ضروری ہے۔ سلطان شمس الدین التمش کے نام کی تصحیح ہوچکی ہے وہ (ال ت ت م ش) ہے (ال ت م ش) نہیں ہے۔ سلطان معز الدین کے قباد

بلبن کا بیٹا نہیں پوتا تھا۔ وہ بغرا خان کا بیٹا تھا۔ شرقی سلطنت، جسے شہنشاہ شاہ جہاں شیراز ہند کہتا تھا، بیجاپور (دکن) میں نہیں، بلکہ جون پور (پورب) میں قائم ہوئی تھی۔ سلطان ابراہیم شرقی، جون پور کا سلطان تھا۔ بیجاپور کا نہیں جہاں کے سلاطین 'عادل بادشاہ' کہلاتے تھے۔

باب ششم: (المدائح النبویہ مغلیہ دور حکومت میں) اسے دور عروج اور دور زوال میں تقسیم کیا گیا ہے

(۱) مغلیہ دور عروج (از ۱۵۲۶ تا ۱۷۰۷ء): بابر سے اورنگزیب کے دور حکومت و حالات کے سرسری جائزہ کے بعد اس عہد کے علماء وصوفیاء کا ذکر کیا گیا ہے۔ صوفیاء کے بیان میں برعظیم کے سلسلہ ہائے تصوف کا تفصیلی تذکرہ سپرد قلم کیا گیا ہے۔ علماء میں شیخ محمد غوث گوالیاری، علی متقی، محمد طاہر پٹنی، مولانا عبداللہ سلطان پوری اور مولانا عبدالحکیم سیال کوٹی وغیرہ کی اسم شماری کی گئی ہے۔ اس طرح صوفیاء میں شیخ عبدالقدوس گنگوہی، شیخ سلیم چشتی، خواجہ باقی باللہ اور مجدد الف ثانی کے مختصر تعارف کے بعد اس عہد کی علمی سرگرمیوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس عہد کے مدح نگاروں میں شیخ جمالی، شیخ عبداللہ عیدروسی، یعقوب، عرفی، فیضی، اور حسن بن علی بن شدقم کے نعتیہ اشعار درج کئے گئے ہیں اور ان کی قدرے تفصیل دی گئی ہے۔ اس عہد کے ایک نعت نگار سید معصول علی الراسکی کے کلام کا خصوصی مطالعہ بھی اس حصہ میں شامل ہے اور خوب ہے۔

(۲) مغلیہ دور زوال (از ۱۷۰۷ تا ۱۸۵۷ء): کتاب کا یہ حصہ پروفیسر قریشی کی علمی تحقیق کا اعلیٰ نمونہ ہے اور حاصل مطالعہ یہی جزء ہے۔ ہمارا یہ دور سیاسی انحطاط و انحلال کا عبرت ناک مرقع ہے۔ مگر علمی کمال اور ادبی وفکری سرگرمیوں کا نقطہ عروج بھی یہی عہد ہے۔ اس عہد میں امام الہند شاہ ولی اللہ دہلوی جیسی نابغہ عصر شخصیت پیدا ہوئی اور ان پر اسلامی ہند فخر کرتا ہے۔ کتاب کے اس جزء میں بھی پہلے سیاسی انتشار کا مختصر بیان ہے۔ اس کے بعد علماء میں ملاجیون، محمد حیات سندھی، مرتضیٰ زبیدی، قاضی ثناء اللہ پانی پتی، مولانا عبدالعلی بحرالعلوم کا، صوفیاء میں محمد مولانا فخر الدین دہلوی، خواجہ نور محمد مہاروی اور مظہر جاناں کا اجمالی ذکر کیا گیا ہے۔ ان میں مخدوم محمد ہاشم تھوی، شاہ ولی اللہ، شاہ عبدالعزیز اور میر غلام علی آزاد بلگرامی کے اسماء ہیں شاہ ولی اللہ کے علمی کمالات کی نشاندہی کے بعد ان کی نعتیہ شاعری کا مختصر بیان ہے۔ قریشی صاحب نے شاہ صاحب کے قصیدہ بائیہ کا تجزیہ پیش کیا ہے اور ان کے قصیدۂ ہمزیہ کا بھی جائزہ لیا ہے۔ شاہ صاحب کے صاحب زادہ شاہ رفیع الدین کے قصیدۂ معراجیہ کے مختصر تذکرہ کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچے

ہیں کہ قصیدہ ان کی عربیت پر ماہرانہ دسترس کا زندہ ثبوت ہے۔ اس کے بعد انہوں نے شاہ عبدالعزیز کا مختصر ذکر کیا ہے۔ حالانکہ شاہ عبدالعزیز کی شاعری وعربیت نہایت وقیع، ارفع واعلیٰ تھی۔ بہرکیف ان کے قصیدہ میمیہ کا جونعتیہ ہے، ذکر کیا گیا ہے۔ اس باب کے اخیر میں میر غلام علی آزاد بلگرامی کا قدرے تفصیل سے مذکور ہے۔ اوراس کی وجہ ان کے دس عربی دواوین اور کثرت اشعار ہے۔ آزاد کے عربی اشعار کی تعداد سترہ (۱۷) ہزار سے زیادہ ہے۔ ان کے اشعار کا جزوغالب مدحت سرور کائنات ﷺ ہے۔ پروفیسر قریشی کی رائے ہے کہ ''آزاد کو عربی شاعری میں بلند مقام حاصل ہے۔ انہوں نے عربی شاعری میں نئے تجربات سے قارئین کی توجہ کو جذب کیا ہے'' اس رائے سے اتفاق نہیں کیا جاسکتا۔ بقول مولانا فضل حق خیرآبادی ''حروف آں عربی است و در حقیقت آں زبان دیگر است'' اور مولانا شبلی نے ان کے کلام پر یہ رائے دی ہے کہ ''آزاد کا عربی کلام ان کا چہرۂ کمال کا داغ ہے'' قریشی صاحب نے اس عجمی شاعری پر ۲۴ صفحے صرف کیے۔

باب ہفتم: المدائح النبویۃ دور جدید میں: یہ دور ۱۸۵۷ء سے اب تک (؟) کے کوائف پر مشتمل ہے۔ ابتداء میں اس عہد کے سیاسی حالات کا اجمالی بیان ہے پروفیسر صاحب نے اس ضمن میں لکھا ہے۔ ''۱۷۶۵ء میں بکسر کے مقام پر انگریزوں کی کامیابی دراصل برصغیر کی غلامی کی خشت اول تھی (س ۴۸۷)۔'' بکسر کی جنگ جیتنے کے بعد انگریز اودھ (یوپی) میں در آیا تھا۔ مگر غلامی کی خشت اول ۱۷۵۷ء میں پلاسی کی جنگ میں سراج الدولہ، نواب بنگال وبہار کی شکست اور لارڈ کلایو کی پرفریب کامیابی نے رکھی تھی۔ اس عہد کے علماء میں مولانا کفایت علی کافی، مولانا احمد سعید مجددی، مولانا عبدالحئی فرنگی محلی، سید نذیر حسین محدث دہلوی، مولانا محمود الحسن دیوبندی، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا عبدالعزیز میمن جیسے سربرآوردہ حضرات کی اسم شماری کرائی گئی ہے۔ اس عہد کے جن عربی شعراء کا ذکر کیا گیا ہے، ان میں مفتی صدرالدین آزردہ، مولانا محمد فاروق چریاکوٹی، شیخ محمد طیب مکی، مولانا حمیدالدین فراہی، شیخ محمد سورتی وغیرہ کے نام تحریر کیے گئے ہیں۔ المدائح النبویہ لکھنے والے شعراء میں منشی امیر احمد امیر مینائی، مولانا ذوالفقار دیوبندی، مولانا شبلی نعمانی اور مولانا حالی وغیرہ کا اختصار کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے یہ تمام اسم شماری محض تبرکاً ہے اور چند باب کے سوا انہوں نے عربی شاعری نہیں کی ہے۔ اس اجمال کے بعد فحولی شعراء عربی کا ذکر قدرے تفصیل سے کیا گیا ہے ان میں مولانا فضل الحق خیرآبادی، مولانا فیض الحسن سہارن پوری، قاضی طلا محمد پشاوری، مولانا احمد رضا خان، مولانا

حبیب الرحمٰن عثمانی" مولانا انور شاہ کشمیری مولانا اصغر علی روحی، مولانا عبدالقدیر حسرت، مولانا ظفر احمد عثمانی اور مولانا محمد یوسف بنوری اور مولانا محمد افضل فقیر کی عربی شاعری کے نمونے دیئے گئے ہیں اوران کی شاعرانہ حیثیت کا بھی تعین کیا گیا ہے۔ پروفیسر قریشی نے ان حضرات کی عربی نعتیہ شاعری کے معیار وکمال کی تعریف کی ہے اوراس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ "عہد جدید میں عربی مدحیہ شاعری اپنے سابقہ معیار کے ساتھ باقی ہے۔اور عہد حاضر کے موجودہ شعراء کی دلچسپیاں بتارہی ہیں کہ یہ سلسلہ اس اعتماد اور یقین کے ساتھ برقرار رہے گا۔اور یقیناً مستقبل میں اور بہتری کی صورت پیدا ہو جائے گی"

باب ہشتم: اس باب میں ابواب ماسبق میں بیان کردہ مباحث کا عمومی جائزہ لیا گیا ہے اور" حرف آخر" میں پروفیسر صاحب نے ممنونیت کے الفاظ کے ساتھ کم وبیش ایک ہزار صفحات پر پھیلی ہوئی داستاں کو ختم کیا ہے۔ یہ داستاں طویل مطالعہ، مجاہدہ ومباحثہ کا نتیجہ ہے

"کتاب برصغیر پاک و ہند میں عربیہ نعتیہ شاعری" کی تفصیل کا اجمال سطور ماسابق میں پیش کیا گیا۔اس سے پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی کی وسعت معلومات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ یہ کتاب عربی نعتیہ شاعری کا مبسوط تذکرہ ہے مگر انسان ضعیف البیان ہے، اس کی کامیاب ترین کوشش بھی خطا ونسیان سے محفوظ نہیں رہ سکتی اوراس میں کوئی نہ کوئی کمی رہ جاتی ہے۔"برصغیر پاک وہند میں عربی نعتیہ شاعری" بھی اپنی گوناگوں خوبیوں کے باوجود بعض تسامحات سے محفوظ نہیں ہے۔ ہم سطور ذیل میں ان کی جانب اشارہ کرتے ہیں کہ اگر وہ نقائص درست ہیں تو اگلے ایڈیشن میں ان کی تصحیح ہو جائے اور اگر نادرست ہیں تو میری تصحیح ہو جائے۔

(۱) کتاب کے نام میں "برصغیر پاک وہند" دیکھ کر عربی زبان کے ایک فاضل کی لغزش قلم پر سخت حیرت ہوئی۔ ہندوستان کی آزادی کے بعد اس "شعبہ القارہ" میں بھارت، سری لنکا، پاکستان، مالدیپ، بھوٹان، اور بنگلہ دیش کی آزاد حکومتیں قائم ہوئیں، یوں یہ وسیع خطہ ارضی ایک ملک کے بجائے متعدد ملکوں کا مجموعہ ہو گیا۔اس لئے اسے (SUB CONTINENT) کا نام دیا گیا ، پہلے اس کا ترجمہ "تحتی براعظم" کیا گیا، مگر بعد میں اس کا ترجمہ "برعظیم" کیا گیا اور اہل علم میں یہی اصطلاح رائج ہو گئی۔ کچھ غلطی سے "برصغیر" بھی لکھتے ہیں، مگر یہ غلط ہے اس کی تغلیط سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔عربی میں "شعبہ القارہ" سے بھی "برصغیر" کی تغلیط ہوتی ہے۔

(۲) کتاب میں عربی اشعار اور عربی عبارتوں کے ترجمے نہیں دیئے گئے ہیں۔اس سے عربی نہ